Regd. No. A. 9[illegible]
Telephone No. 2[illegible]
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ [illegible]
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
[illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - ۲۲ جون ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۲۴

لغت اور استعمال عام

رشید حسن خاں

اردو میں عربی، فارسی اور ترکی کے بہت سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جو اصل زبان سے صورت بدل کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ یہ تبدیلی مختلف طریقوں سے ہوئی ہے کہیں تو الفاظ کی حرکات بدل گئی ہیں کہیں اصلی معنی کے علاوہ دوسرے معنی اختیار کرلئے گئے ہیں اور کہیں عربی و فارسی کے طریق ہائے اشتقاق پر قیاس کرکے بے ضابطہ اشتقاق کرلیا گیا ہے۔

جب کوئی زبان نئی نئی بنتی ہے یا اس کی ابتدائی منزلیں ہوتی ہیں تو اس میں عجیب عجیب اصلاحے ہوتے ہیں اور اتنے مختلف النوع کہ شروعات میں ان کو کسی ضابطے کے تحت متعین نہیں کیا جاسکتا زبان جس قدر آگے بڑھتی ہے اسی قدر اس کے نورسیدہ عناصر کو اصول وضوابط کے خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یہ عمل اس وقت تک برابر جاری رہتا ہے جب تک اس قوم اور اس زبان میں ترقی کی صلاحیتیں موجود رہتی ہیں اور ان کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ جب کسی قوم کی تہذیبی صلاحیتیں رک جاتی ہیں تو اس قوم کی زبان و ادب میں بھی اس جمود کے آثار نمایاں جھلکتے ہیں۔ اس بات کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب کسی بنیادی یا انسانی چیز میں اجتہادات کا سلسلہ ختم ہو جائے تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی مزید ترقی کے امکانات ختم ہوگئے ہیں یا کم۔

ہر زبان کا مزاج یا لہجہ علیحدہ ہوتا ہے اور اس کا تعلق اس ملک کے جغرافیائی حالات اور تہذیبی و سماجی محرکات سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عربی کے بیشتر الفاظ کے تلفظ میں ایک خاص قسم کی ثقالت اور نامانوس کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہندوستان کے جغرافیائی حالات اور یہاں کے اختلاف فضا کے سبب سے لہجے میں وہ کرختگی نہیں ہے جو عربی کا خاصہ ہے یا فارسی کے بہت سے الفاظ میں موجود ہے۔ مثلاً عیال عربی لفظ ہے۔ عربی میں عین پر کسرہ ہے اور وہاں کے لہجے کے اعتبار سے بجا ہے۔ لیکن اگر ہم کسر عین پڑھیں تو لہجے میں عجیب غرابت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح فارسی میں فرشتہ کی فا پر زیر ہے۔ یہ فارسی کے لئے ٹھیک ہے۔ لیکن اردو میں فا مکسور پڑھا جائے تو ذہن بگڑنے کا احتمال ہوگا۔

زبان پہلے بنتی ہے قواعد و لغت کی کتابیں بعد کو مرتب کی جاتی ہیں۔ اس طرح اصولی طور پر ہونا یہ چاہئے کہ جو لفظ جس طرح بولا جاتا ہے اس کو اسی طرح درج کیا جائے لیکن اردو لغات میں ایسا نہیں ہے اور اس کی دو خاص وجہیں ہیں۔ ہندوستان میں جس وقت اردو کی ابتدا ہوئی اس وقت اور اس کے دنوں بعد تک یہ عالم رہا کہ عام طور پر لوگ البتہ شرقیہ کے ماہر ہوتے تھے آج کل خاص لوگ ان کے متعلق جتنی معلومات رکھتے ہیں اس وقت کے عام پڑھے لکھے افراد ان سے زیادہ واقف ہوتے تھے فارسی اور عربی چونکہ مقدس، زبانیں تھیں اور لوگ ان سے بڑی حد تک واقف ہوتے تھے لہذا اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ عربی و فارسی الفاظ میں حتی الامکان قطع و برید نہ ہونے پائے اردو میں اساتذہ نے جو عطف و اضافت ہند کو ناروا رکھا اس کی یہی وجہ تھی لوگ بالعموم فارسی و عربی الفاظ کے تلفظ معانی اور صحیح اشتقاق سے واقف ہوتے تھے اس لئے گفتگو اور تحریر میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ ایسی غلطی نہ ہونے پائے۔ اس لئے عام گفتگو میں الفاظ کا کتابی تلفظ ہی قائم رہا۔

دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مفرد الفاظ کی حرکات اور ان کے محل استعمال کا فیصلہ عموماً لغات کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ لغات اساتذہ و معتبرین کے کلام کو پیش نظر رکھ کر مرتب کئے جاتے ہیں اس طرح ہوتا یہ ہے کہ جن الفاظ کو اساتذہ نے جن حرکات کے ساتھ استعمال کیا ہے لغت میں بھی ان کی وہی حرکات درج

کردی جاتی ہیں۔ اردو میں مدت تک زبان و ادب کا مفہوم صرف نظم رہا۔ شعر میں لفظ کی حرکت کا تعین بالعموم قافیے میں کیا جاتا ہے۔ ردیف و قافیے کے علاوہ ساکن و متحرک حروف کا تعین تو بعض اوقات شعر میں کسی دوسری جگہ ہو جاتا ہے لیکن زبر زیر کا تعین نہیں ہو سکتا۔ قافیے میں روی و ماقبل روی کی حرکات محسوب ہوتی ہیں۔ اس طرح جو لفظ سہ حرفی و چہار حرفی یا اس سے زائد حروف سے مرکب ہوتا ہے اس کے حروف اولیں کی حرکات کا ضبط بحث سے خارج رہتا ہے اس طرح ان الفاظ کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کس حرکت کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔

ارباب فن نے بہت سختی سے ساتھ اس بات کا خیال رکھا کہ نظم میں عموماً اور قافیے میں خصوصاً جو الفاظ آئیں، خواہ عام بول چال میں وہ کسی طرح استعمال کئے جاتے ہوں لیکن نظم میں وہ فارسی و عربی کی اصل حرکات کے ساتھ آئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کے چند لغات مرتب کئے گئے ان میں اول تو فارسی و عربی الفاظ کو لکھا ہی نہیں گیا۔ صرف اس خیال سے کہ ان کے لئے عربی و فارسی لغات کافی ہیں اور اس طرح ان کی حرکات میں کسی تغیر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔ دوسرے ان زبانوں کے جو الفاظ لکھے گئے تو ان میں اصل زبان کی حرکات کو نقل کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اگر کوئی شخص اردو کے کسی ایسے لغت کو دیکھنا چاہے جس میں استعمال عام کا بھی ذکر ہو تو اس کو مایوس ہونا پڑے گا۔ کچھ الفاظ ایسے ضرور تھے جن کی حرکات حد سے زیادہ ثقالت کی بنا پر اردو کے اساتذہ کے نزدیک بھی قابل تبدیلی قرار پائیں جیسے "جہان" کہ ایک مشہور روایت کے مطابق جلال نے کہا تھا کہ اب ہم اس کو بکسر حرف اول کے بجائے بہ فتح اول ہی بولیں گے لیکن قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اول تو اس اجتہاد کا دائرہ صرف چند الفاظ تک محدود رہا دوسرے یہ کہ ایسے الفاظ کو کسی لغت میں درج نہیں کیا گیا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ فلاں فلاں الفاظ میں متصرفات کئے گئے ہیں۔ بس یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ روایات تک محدود رہا جس سے بات وہیں کی وہیں رہی اور جن چند الفاظ پر اساتذۂ اردو نے تنقید کا یہ عمل جاری کیا تھا ان کا بھی نگانا کار محال ہو کر رہ گیا۔

اردو میں الفاظ کی حرکات اور اس کے اشتقاق سے متعلق اختلافات شروع میں بالکل نہیں تھے۔ لیکن زبان جتنی آگے بڑھتی گئی اور شہر کے محدود حلقے سے نکل کر عوام میں پھیلتی گئی اتنے ہی اس میں تلفظ و حرکات کے اختلافات نمایاں ہوتے گئے۔ ہر زبان پر ابتدا میں اہل زبان کی گرفت سخت نہیں ہوتی ہے ہاں جب وہ ایک خاص درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو اس میں تراش خراش کا عمل شروع ہوتا ہے۔ تلفظ اور ان کے تعین کا دور اردو کا درمیانی دور تھا۔ زبان جب درمیانی دور سے نکل کر آگے بڑھتی ہے تو بہت سے ضابطے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور یہی صورت اردو کے ساتھ بھی پیش آئی اور یہی ہو رہا ہے اس بنا پر ہم کو مان لینا چاہئے کہ دوسری زبانوں کے جو الفاظ آج عام طور پر پڑھے لکھے لوگ جس طرح استعمال کرتے ہیں وہ اسی طرح صحیح ہیں۔

لیکن اگر اس بات کو کسی تعین کے بغیر کہہ دیا جائے تو صحیح نہیں اس لئے کہ پھر ہر شخص اپنے گھر یا اپنے علاقے کی زبان مستند مانے گا جو شائستہ بات نہیں۔ زبان بڑی اہم چیز ہے جس طرح اس میں جمود مناسب نہیں اسی طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ اس کی کوئی حد ہی مقرر نہ کی جائے۔ یہ بات بہت آسانی کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جو الفاظ جس طرح مستعمل ہیں وہ اسی طرح صحیح ہیں۔ لیکن واقف کار حضرات جانتے ہیں کہ اگر ایسے الفاظ کا تعین نہ کیا جائے تو یہ ایک انتہائی غلط اقدام ہوگا۔ ایک زندہ زبان کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ہر چیز منضبط ہو۔ آج کی یونیورسٹیوں کا یہ عام فیشن ہے کہ اس کے گریجویٹ زبان ہونے کے مدعی ہوتے ہیں لیکن کم از کم زبان کے متعلق ان کی معلومات صفر کے درجے میں ہوتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ایسے الفاظ و مشتقات کی ایک جامع فہرست تیار کی جائے اور ان کو چند اقسام میں تقسیم کر کے ان کے متعلق گفتگو کی جائے اس کے لئے ہم کو دو اصول ماننا ہوں گے۔

ایک تو یہ کہ دوسری زبانوں کے جو الفاظ اردو میں رائج ہیں وہ اب اردو ہی کے ہیں۔ جب ان کو اصل زبان میں استعمال کیا جائے گا تو وہ اس زبان سے متعلق ہوں گے اگر ہم اس قاعدے کو مان لیں تو بہت سی الجھنوں سے بچ جائیں گے۔ جب ہم یہ تسلیم کریں کہ اردو کے سارے مستعمل الفاظ اب اردو ہی کے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب ان پر وہی ضابطے نافذ ہونا چاہئے جو اردو سے متعلق ہوں اور وہ سارے قاعدے جو آج تک اصل زبان یا گرامر کے واسطے عائد کئے جاتے رہے ہیں غلط ہیں۔

دوسری بات یہ کہ دہلی و لکھنؤ کے معیاری لہجاتی تلفظ ہی کو حرف آخر اور اصل معیار نہیں مانا جا سکتا اور نہ وہاں کے بتائے ہوئے سارے ضابطے ہی قبول کئے جا سکتے ہیں۔ اس سے ان دبستانوں کی خدمات یا مرکزیت سے انکار مقصود نہیں اور نہ وہاں کے ان قابل احترام بزرگان ادب کی منقصت مقصود ہے جنھوں نے ساری عمریں زبان کو بنانے سنوارنے میں صرف کر دیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ آج کے نئے مطالبات، نئے محرکات، اور جدید میلانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اضافے کئے جائیں۔ ایسا ہر دور میں ہوتا رہا ہے ہر دور کے افراد نے اپنے زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھ کر زبان میں ترمیم اور اضافے کئے ہیں ہم آج اپنے دور کے نئے میلانات کو سامنے رکھ کر کچھ تصرفات کر رہے ہیں۔ (باقی)

ہماری زبان

۲۲ - جون - ۱۹۵۷ء

اُردو کانفرنس

(۳)

ہم نے پچھلی دو قسطوں میں ان مباحث پر روشنی ڈالی ہے جو کانفرنس میں زیر غور ہوں گے اس سلسلے میں کانفرنس کی نوعیت کے متعلق چند باتیں واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کانفرنس انجمن کی شاخوں کے نمائندوں کی کانفرنس ہے جس کی افادیت کو بڑھانے کے لئے ہم نے ممتاز ادیبوں اور شاعروں، صحافیوں اور ناشروں کو بھی مدعو کیا ہے۔ اس میں دھواں دھار تقریروں کے بجائے اردو کی تحریک کو تیز کرنے اور انجمن کی تنظیم کو بہتر بنانے کے لئے تدبیریں سوچی جائیں گی۔ نئی ریاستوں میں اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کرانے کے لئے، اردو داں طبقے کے لئے لازمی طور پر اردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے، ثانوی مدرسوں اور اعلیٰ تعلیم گاہوں میں اردو کی تعلیم کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کے لئے، ناشرین اور صحافیوں کو منظم کرنے کے لئے، اردو میں نشر و اشاعت کو بہتر بنانے کے لئے، سارے ملک میں انجمن کی منظم، فعال اور بااثر شاخیں قائم کرنے کے لئے ہمیں عملی اقدامات کرنے ہیں۔ ہمارے پاس بہت سی قراردادیں آئی ہیں ان میں سے جو اہم ہوں گی وہ کانفرنس میں پیش کی جائیں گی۔ ہمارے وسائل اس وقت اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم ان تمام لوگوں کو جو اردو کی تحریک سے دلچسپی رکھتے ہیں مدعو کر سکیں۔ پھر یہ ایک عام اردو کانفرنس نہیں ہے۔ انجمن ترقی اردو کی کانفرنس ہے۔ اس میں اس کی شعوری کوشش نہیں کی گئی ہے کہ مختلف انجمنوں کے نمائندے اور مختلف خیالات کے علم بردار ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں، نہ سیاسی کارکنوں کو اس میں خاص طور سے بلایا گیا ہے۔ انجمن ترقی اردو کی پشت پر ویسے ہی اردو داں طبقے کی بہت بڑی اکثریت ہے جس کے سیاسی خیالات یکساں نہیں ہیں۔ انجمن خود ایک مشترک پلیٹ فارم ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم اس کاروباری جلسے میں اپنی تحریک کے اگلے قدم کو طے کریں اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد کسی مرکزی مقام پر پھر ایک بڑی کانفرنس بلائیں تاکہ اس میں اس پروگرام کا جائزہ لیا جا سکے۔ ہمارے پاس جو خطوط آ رہے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کانفرنس میں شرکت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ ایک شاندار مظاہرہ ہوگا ہم شاندار مظاہروں اور تماشوں کے بجائے اپنی قوم کو سنجیدہ، ٹھوس، عملی کاموں کی رغبت دلانا چاہتے ہیں۔ شاندار مظاہرے برے نہیں۔ مگر ان کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اردو والے اپنی ساری عملی اور تعمیری صلاحیت تقریروں اور مظاہروں میں ضائع کر دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ ان کے مطالبات نہیں مانتے یا ان کی بات نہیں سنتے، وہ سب کے سب نامعقول، تنگ نظر اور متعصب ہیں۔ ایسا نہیں ہے بہت سے لوگ یا تو ناواقف ہیں یا بے نیاز انھیں اپنے مسائل سے واقف کرانا، ان کو ان کی اہمیت کا احساس دلانا ہمارا کام ہے اس کام کو سائنٹفک اور نفسیاتی طریقے سے کرنا ہے۔ ناواقفیت کے وجوہ کیا ہیں، بے پروائی کیوں ہے۔ ہم سے ماضی قریب میں کیا غلطیاں ہوئی ہیں، ہمارے کارکن کیسے ہیں ہم انھیں کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں، ہم نے اپنے ادبی سرمائے میں مقامی رنگ، قومی رجحان اور انسان دوستی کا میلان، دوست دشمن، سب پر واضح کر دیا ہے یا نہیں۔ اس کام میں وہ لوگ زیادہ مدد دے سکتے ہیں جو یا تو زبان و ادب سے اچھی طرح واقف ہیں یا اردو کی نشر و اشاعت میں کسی نہ کسی طرح شریک ہیں یا جنھوں نے اپنے اپنے حلقے میں اردو کی تحریک چلائی ہے اور اس کے لئے مقامی طور پر ہر طبقے کا تعاون حاصل کیا ہے۔ اس کانفرنس میں نہ ہزاروں کا مجمع ہوگا نہ کوئی جلوس نکلے گا۔ نہ لیڈروں کے پیامات پڑھے جائیں گے، نہ وزیروں یا سرکاری افسروں کی آؤ بھگت ہوگی، نہ شاندار ضیافت ہوگی اس کانفرنس میں جو لوگ آ رہے ہیں وہ ایک اہم پروگرام کو طے کرنے آ رہے ہیں وہ دو دن سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور اپنے آئندہ کام کا نقشہ بنائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس مشاورت کے مفید اور دوررس نتائج نکلیں گے۔

مسعود اختر جمال کی علالت

ہماری زبان کی پچھلی اشاعتوں میں مسعود اختر جمال کی خطرناک علالت کا ذکر آچکا ہے مسعود اختر جمال ہمارے خوش گو اور خوش فکر شاعروں میں سے ہیں۔ ان کی وطن دوستی، قومی جذبہ، حریت فکر اور عوام دوستی، سب مسلم ہیں۔ ان کی خرابی صحت کی خبر سے ادبی حلقوں میں جو تشویش ہے وہ قدرتی ہے۔ ابھی تک ہمارے سماج نے ان فن کاروں کی قدر نہیں کی جو اپنے خون جگر سے اس کا نگار خانہ سجاتے ہیں اور جو اپنے بصیرت افروز اور عشق خیز تجربوں سے زندگی اور اس کے حسن کا احساس عام کرتے ہیں۔ انجمن

ترقی اردو ہند جمال کے کلام کا ایک چھوٹا سا انتخاب عنقریب شائع کر رہی ہے اور حکومت ہند کو بھی مناسب امداد کے لئے لکھا گیا ہے۔ جگر صاحب، آنند نرائن ملّا، احتشام حسین اور دوسرے حضرات نے جمال اور دوسرے نوجوان شعراء کی حالت زار کی طرف ملک و قوم کو بھی توجہ دلائی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہم اپنے فن کاروں کی قدر کریں گے اور انھیں کس مپرسی، ناقدری، مالی شانی، بیماری کا شکار نہ ہونے دیں گے ــــ اس موقع پر حکومت ہند اور حکومت یوپی کو بھی اپنے فرض سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

... میں فراخدلی سے حصہ لینے کی اپیل کی۔

اردو ہندی مشترک جلسہ

بہرائچ میں ایک اردو ہندی کا مشترک ادبی جلسہ قمر رائے بریلوی کے مکان پر ہوا جس میں شوق بہرائچی، ساغر مہدی، اقبال ندیم، قمر رائے بریلوی، جگدیش اتری پت، بیرا تو رام کالیہ اور شیو پرشاد نے شرکت کی۔

مہدی نواز جنگ کا عطیہ

وزیر امداد باہمی نواب مہدی نواز جنگ بہادر نے اردو کالج کی امداد میں ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا۔

معتمد انجمن ترقی اردو حیدرآباد، مولوی حبیب الرحمن صاحب نے مشاعرے میں اسکا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ نواب صاحب موصوف نے اردو کالج کے لئے رقم فراہم کرنے کی غرض سے مشاعرے اور اس قسم کے اجتماع منعقد کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔

جامِ میکش

یوں ہمیں طے راہِ تسلیم و رضا کرنی پڑی
ہر جفا پر اُس کی تائیدِ جفا کرنی پڑی

دل کی خاطر ہر روا و ناروا کرنی پڑی
یعنی اکثر بے وفاؤں سے وفا کرنی پڑی

اے غمِ دوراں پذیرائی کو تیری بار رہا
دل سے یادِ دوست بھی ہم کو جدا کرنی پڑی

جب نہ تم سے بھی مداوائے غمِ دل ہو سکا
تب مریضِ غم کو مرنے کی دعا کرنی پڑی

خیر سے پھر امتحانِ سرفروشی آ گیا
اب انھیں بھی قدرِ اربابِ وفا کرنی پڑی

ہر نفس ہستی کا نذرِ "تلخیٔ" دوراں رہا
ہم کو جینے کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی

کیا کہوں میکش کہ چشمِ مست کے ہوتے ہوئے
ہر کس و ناکس سے مے کی التجا کرنی پڑی

میکش بدایونی

اردو دنیا

علامہ شبلی کا جشن صد سالہ

(بحوالہ سیاست)

بزم ادب اردو کالج کے زیر اہتمام اردو کے عظیم المرتبت مورخ اور شاعر علامہ شبلی کے صد سالہ یوم ولادت منانے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر بین المدارس اور بین الکلیاتی تحریری اور تقریری مقابلے بھی منعقد کئے جائیں گے تاکہ طلبہ اور نوجوانوں میں نئے ادب کے اس عظیم معمار کا پیغام پہنچے اور وہ اس کے مقام سے واقف ہو سکیں۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانے پر سمپوزیم، مشاعرے، بکھرل پروگرام اور ڈراما کے انتظامات بھی کئے جائیں گے۔ ابتدائی کام بزم ادب اردو کالج کی طرف سے شروع ہو چکا ہے جشن کو کامیاب بنانے کے لئے آندھرا کے مختلف کالجوں کے طلبہ، اساتذہ اور ان کی تنظیموں سے ربط پیدا کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ جولائی میں وسیع بنیادوں پہ ایک تیاری کیمٹی تشکیل دی جائے گی جس کے تحت مختلف ذیلی کمیٹیاں اپنے کام کا آغاز کر دیں گی۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات حسینی شاہد صاحب لکچرار اردو کالج سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اردو اشاعت گھر کے قیام کی تجویز

مسٹر مخدوم محی الدین نے حیدرآباد میں ایک اردو اشاعت گھر کے قیام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ کل رات نمائش میدان میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے اردو کالج کی امداد میں ترتیب دیئے گئے مشاعرے میں تقریر کرتے ہوئے مخدوم محی الدین نے حاضرین کو اردو کی اشاعت بڑ...

انجمن کی خبریں

مہاکوشل انجمن ترقی اردو (بہ سلسلۂ گزشتہ)

مرکزی حکومت سے مطالبات :۔

(۱) اندور اور بھوپال کے ریڈیو اسٹیشنوں سے زیادہ سے زیادہ اردو پروگرام نشر کئے جائیں اور مہاکوشل کے شعراء و ادبا کو بالعموم اور برہان پور کے شعراء اور ادبا کو بالخصوص پورا پورا موقع دیا جائے کیونکہ اب تک انھیں نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

(۲) مدھیہ پردیش کے نامور شعراء کو بہ تخصیص برہان پور سرکاری وظائف عنایت کئے جائیں۔

صوبائی حکومت سے مطالبات :۔

(۱) برہان پور میں فوری طور پر صوبہ کے اردو پرائمری اساتذہ کی تربیت کے لئے اردو نارمل اسکول قائم کیا جائے۔

(۲) ہر صوبائی یونیورسٹی جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کو تسلیم کرے۔

(۳) ہر صوبائی یونیورسٹی میں فارسی اردو اور عربی کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور السنۂ مشرقیہ کے امتحانات جاری کئے جائیں۔

(۴) ڈپ۔ ٹی اور بی۔ ٹی کے اداروں میں اردو میڈیم کے ذریعے اردو داں اساتذہ کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔

(۵) برہان پور کی گرلس انڈین مڈل اسکول کو جو نئی عمارت میں واقع ہے اردو کے انڈین انگلش مڈل اسکول میں تبدیل کیا جائے اور پرائمری اردو کی چار کلاسیں پرانی بلڈنگ میں لگائی جائیں اور دونوں اسکولوں کے لئے علیحدہ علیحدہ معلمات مقرر کی جائیں۔

(۶) مہاکوشل ثانوی تعلیمی بورڈ میں مہاکوشل انجمن ترقی اردو کو اردو کے مفاد کے تحفظ کے لئے مناسب نمائندگی دی جائے۔

(۷) ضلع لائبریری کھنڈوہ کو اردو کی کتابیں فراہم کی جائیں اور وہ یہ کتابیں برہان پور کی لائبریریوں اور دیگر اداروں وغیرہ کو مستعار دے

(۸) صوبہ کی حکومت کم از کم ایک سرکاری رسالہ اردو میں جاری کرے اور صوبائی اردو رسائل اور صوبائی اردو اخبارات کی اشتہارات وغیرہ سے مدد کرے۔"

۹۔ محکمۂ سماجی تعلیم کی طرف سے برہان پور کی انجمن کو اردو میں تعلیم بالغان کا مرکز کھولنے کے لئے ہر قسم کی اعانت دی جائے۔

ان مطالبات کے سلسلے میں مقامی شاخ اور مہاکوشل انجمن ترقی اردو مقامی وکل باڈیز اور صوبائی و مرکزی حکومت سے خط کتابت کر رہی ہے۔ مدھیہ پردیش کے جملہ اردو ادب کے اداروں سے

حیدرآباد (روزنامہ سیاست حیدرآباد کے حوالے سے)

اردو کالج کی امداد کے لئے ڈاکٹر بی گوپال ریڈی وزیر مالیات کی زیر صدارت ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ اس مشاعرے میں مقامی شعرا کے علاوہ مہمان شعراء میں معین احسن جذبی مخلص شاہجہان پوری اور ساغر اقبال نے بھی اپنا کلام سنایا۔ اس کامیاب مشاعرہ کا اہتمام جناب مخدوم محی الدین صاحب کے سپرد تھا۔

وزیر مالیات نے فرمایا کہ "اردو ہندوستان کی زبان ہے وہ یہیں پیدا ہوئی، پھلی پھولی، اسے دوسری ہندوستانی زبانوں کے ساتھ ترقی کرنے کا موقع ملنا چاہیئے کیونکہ وہ غیر ملکی زبان نہیں ہے۔"

حیدرآباد کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ حیدرآباد نے اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ مستقبل میں بھی حیدرآباد اردو کی سرپرستی اسی طرح جاری رکھے۔

مسٹر گوپال ریڈی نے فرمایا کہ مشاعرہ حیدرآباد کی ایک خاص اور نمایاں خصوصیت ہے بڑی خوشی کی بات ہے کہ لوگ پیسہ خرچ کرکے مشاعرہ سننے آتے ہیں۔ مدراس، آندھرا اور مالابار وغیرہ میں تیلگو مشاعرہ سننے کے لئے اتنے بڑے اجتماع کا ہونا ناممکن سی بات ہے۔

موصوف نے اس بات پر اظہار مسرت کیا کہ یہ مشاعرہ اردو کالج کی امداد کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اردو کالج کو مالی امداد کی ضرورت ہے۔ مشاعرے سے اس کے لئے رقم جمع کرنا بڑی اچھی بات ہے۔

انجمن ترقی اردو کی تنظیم (بحوالہ انکار)

کل رات ۹ بجے دفتر ندیم بھوپال میں ریاستی انجمن ترقی اردو کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ مسٹر شری لال وکیل کی صدارت میں ہوا جس میں تنظیمی مسائل پر غور کرنے کے بعد مسٹر نعیم عرفان کو تنظیمی کاموں کا نگراں مقرر کیا گیا۔

نوٹ: علمی تعاون کی التجا ہے دیگر اردو اخبارات سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں ادارتی نوٹ و شذرات لکھ کر ان جائز مطالبات کی حمایت کا اعلان کریں اور اردو نوازی کا ثبوت دیں۔

محمود سنا د

سکریٹری مہاکوشل انجمن ترقی اردو

مراسلات

پرائمری اسکولوں میں اردو ٹائپ

جناب زین العابدین صاحب نے بمبئی سے جو چھوٹا سا مضمون "پرائمری اسکولوں میں اردو ٹائپ" کے عنوان سے آپ کے اخبار مورخہ یکم جون ۱۹۵۷ء میں شائع کرایا ہے۔ میں نے اس کو چھوٹا صرف اس کی طوالت کے لحاظ سے کہا ہے۔ لیکن بہ لحاظ اپنی اہمیت کے وہ چھوٹا نہیں ہے میرے نزدیک اردو زبان کے لئے ٹائپ کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے انگریزی لٹریچر دنیا میں اس قدر ترقی کرتا چلا جا رہا ہے اور اس کو جس قدر وسعت ہوئی ہے وہ محض ٹائپ ہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ٹائپ میں ایک مرتبہ کمپوز کیا ہوا مضمون ہزاروں صفحات پر چھاپا جا سکتا ہے لیکن اردو میں لکھا ہوا مضمون لیتھوگراف کے پریس میں چند ہزار صفحات سے زیادہ کام نہیں دے سکتا اور اگر زیادہ چھپوانا ہو تو پھر دوبارہ اس کو کاتبوں کے حوالے کیجئے۔ کاتبوں کی غلطی کی اصلاح کیجئے۔ اصلاح ہونے کے بعد بھی جب کاپیاں پتھر پر جمائی جاتی ہیں تو ان میں پھر بھی بہت سی باتیں قابل اصلاح کے رہ جاتی ہیں۔ لیتھو کی چھپائی میں جتنی دیر میں ایک مضمون دو چار ہزار صفحوں پر چھاپا جا سکتا ہے اتنی دیر میں ٹائپ میں اس سے بیس پچیس گنا زیادہ صفحات پر چھپ سکتا ہے اور لیتھو کی چھپائی کے مقابلے پر ٹائپ کی چھپائی میں وقت بھی بہت ہی کم صرف ہوتا ہے جب لیتھو کی نستعلیق چھپائی میں یہ دشواریاں ہیں تو اردو لٹریچر کی ترقی کے لئے سب سے اول مرحلہ نستعلیق پتھر کی چھپائی کا ختم کرنا ہے اور اس کی جگہ ٹائپ کا انتظام کرنا ہے۔

زین العابدین صاحب نے جو طریقہ اردو ٹائپ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا بیان کیا یا تجویز کیا ہے۔ میرے نزدیک وہ نہایت مناسب طریقہ ہے کہ اردو کی تمام ابتدائی و ثانوی نصاب کی کتابیں خط نسخ میں تیار کرانی چاہیں۔ خط نسخ میرے نزدیک اس بات کی قابلیت رکھتا ہے کہ بہت جلد موجودہ طریقے کو ترک کرانے کے لئے ہم کو مجبور کر دے اور ہم بجائے لیتھو کی تحریر کے ٹائپ کو اختیار کر لیں۔ خط نسخ کے سوا اور کسی طرز کا خط ٹائپ کے لئے موزوں نہیں ہے خط نستعلیق میں ٹائپ بالکل بیکار ہے کیونکہ حروف ٹوٹ جاتے ہیں اور عبارت اکثر بے ربط ہو جاتی ہے خط نستعلیق دراصل خط نسخ ہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر ٹائپ اجازت دیتا تو نستعلیق کو بہ لحاظ اس کی ظاہری خوبصورتی کے ترجیح ہوتی۔ خط نستعلیق بہت اچھا خط ہے لیکن ٹائپ کے لائق نہیں ہے اس لئے زمانہ حال کی ضرورتوں کے لحاظ سے اردو کے حامیوں اور ہمدردوں کو خط نستعلیق کو ترک کرنا چاہیے اور خط نسخ کو اختیار کرنا چاہیے اور اس کی باقاعدہ تبلیغ ہونی چاہیے تاکہ ہمارے تمام اردو اخبارات خط نسخ کو چھوڑ کر خط نسخ کو اپنائیں اور رفتہ رفتہ تمام صحافتی کام خط نسخ ہی میں ہونے لگیں۔

اس مسئلے پر سب سے پہلے انجمن کی اردو کانفرنس میں جو ۲۰-۲۱ جولائی ۱۹۵۷ء کو منعقد ہونے والی ہے غور ہونا چاہیے اور ایک ریزولیوشن کے ذریعے سے اردو اخبارات اور اردو مطابع سے اپیل کرنی چاہیے کہ وہ خط نستعلیق کو چھوڑ کر خط نسخ کو اختیار کرنے کی طرف توجہ کریں اور حاضرین کانفرنس سے یہ بھی خواہش کی جائے کہ رسم خط کی اصلاح میں پورے طور پر مدد کریں اور اس میں اب زیادہ تاخیر کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ موجودہ رسم خط ہماری اردو زبان کی ترقی کے راستے میں حائل ہے تو انجمن کے ہر ممبر اور اردو زبان کے ہر شیدائی کا فرض ہو جائے گا کہ جس طور پر ہو سکے رسم خط کی اصلاح میں مدد دے۔

آپ کا مخلص

(خان بہادر ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ ایڈوکیٹ)

لندن سے اردو کا پہلا ماہنامہ

آپ کے اخبار ہماری زبان مورخہ یکم جون ۵۷ء میں صفحہ اول پر نادم سیتاپوری صاحب کا مقالہ "لندن سے اردو کا پہلا ماہنامہ" شائع ہوا ہے اس مضمون میں مصنف کو راجا رام پال سنگھ تعلقدار کالاکانکر ضلع پرتاب گڑھ اور راجا رام پال سنگھ تعلقدار کری سدولی ضلع رائے بریلی کے ہم نام ہونے کی وجہ سے کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے جو راجا رام پال سنگھ "سر" تھے وہ کری سدولی ضلع رائے بریلی والے تھے اور انھوں نے ہی ماہنامہ "ہندوستان" لندن سے جاری کیا تھا نہ کہ کالاکانکر والے راجا رام پال سنگھ تھے۔ راجا سر رامپال سنگھ تعلقدار کری سدولی ہمارے اولڈ بوائے بھی تھے جن کا تذکرہ علی گڑھ کالج ڈائرکٹری مصنفہ مولوی طفیل احمد صاحب مرحوم میں صفحہ ۱۰۰ نمبر ۱۳۹ پر صحیح ہے راجا سر رامپال سنگھ نے ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ سے ہی انٹرنس پاس کیا تھا۔ مگر انھوں نے اس درسگاہ کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی اور سنا ہے کہ وہ آخر میں مہاسبھا میں بھی شامل ہو گئے تھے۔

خاکسار

ممتاز میری۔ علی گڑھ

اردو کانفرنس میں شرکت

اردو کانفرنس علی گڑھ میں شرکت کرنے والے حضرات کو ریلوے اسٹیشن پر پہنچتے ہی قیام گاہ، جلسہ گاہ اور دیگر امور کی ضروری معلومات مل جائیں گی۔ اسٹیشن پر استقبال کے لئے والنٹیر موجود ہوں گے۔

معاصرین

پیرایۂ آغاز

اردو میں غالب اور اقبال دو ایسے شاعر ہیں جن کی ذات احوال اور خصائص شعری پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ علی گڑھ میں پروفیسر آل احمد سرور کی زیر نگرانی ایک ایسے بورڈ کی تشکیل بروئے کار آ چکی ہے جو ایک گراں قدر سرمایے کے ساتھ غالب پر کام کر رہا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بزم اقبال کے نام سے جو ادارہ قائم ہے اس کے تمام تر وسائل فلسفۂ اقبال کی نشر و اشاعت کے لئے وقف ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سنا گیا ہے کہ دیوان غالب کے مصور خاں بہادر عبدالرحمٰن چغتائی آج کل کلام اقبال کی مصورانہ تشریحات میں منہمک ہیں۔ یہ کوششیں اپنی افادیت کے اعتبار سے بہت مفید اور قابل قدر ہیں مگر اس کے ساتھ ہمیں اس چیز کا بھی شدت سے احساس ہے کہ ان کوششوں کو جس حد تک وسیع ہونا چاہئے تھا اس حد تک نہیں ہیں۔ اپنی ساری تگ و دو کو صرف دو شاعروں تک محدود کر دینا اور باقی شعراء سے نظریں چرا لینا کسی ترقی پذیر اور صحت مند رجحان کی آئینہ داری نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غالب اور اقبال پر کم توجہ کی جائے یا ان پر جو کام ہو رہا ہے اس کی رفتار دھیمی کر دی جائے۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ بات کہنے کی صرف یہ ہے کہ جہاں ان لوگوں پر کام ہو رہا ہے وہاں دوسروں کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ مثلاً یہی دیکھئے میر تقی میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے مگر اس خدائے سخن پر اب تک صرف تین کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے خواجہ فاروقی کی تصنیف تو مبسوط اور مفصل ہے باقی دو کتابیں صرف میر کا انتخاب کلام پیش کرتی ہیں۔ ایک مولوی عبدالحق کی ہے اور دوسری آثر لکھنوی کی۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ میر کا رنگ خاص غالب سے بھی زیادہ مقبول ہے اور نوجوان ذہن تو اس پر فریفتہ ہے۔ میر کے بعد آتش کا نام آتا ہے۔ میر پر تو پھر کچھ کام ہوا بھی ہے۔ مگر آتش پر یاس یگانہ اور خلیل الرحمٰن اعظمی کے سوا شاید کسی نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کام کا آغاز ہی نہیں کیا۔ میرزا یاس یگانہ کی اس باب میں کوشش اس لئے سنجیدہ حلقوں میں اثر آفریں ثابت نہ ہو سکی کہ انھوں نے جو کچھ کیا غالب شکنی کے زیر اثر کیا۔ اعظمی نے آتش پر بہت اچھے مقالے لکھے تھے، کاش یہ کتاب شائع ہو جائے۔ ہمارے خیال میں آتش اردو کے اکثر و بیشتر شاعروں سے الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ ناسخ کی ہمعصریت کے باوجود اور لکھنؤ کے ابتذال پذیر معاشرے کے باوصف آتش نے اردو شعر کو ایک ایسا مزاج دیا ہے جو لکھنویت سے بہت کم واسطہ رکھتا ہے اس مزاج میں توانائی ہے، مردانہ آہنگ ہے اور پر جلال لب و لہجہ ہے اور دیکھئے اردو شاعری کے ارتقا کی ایک اور اہم کڑی مصحفی بھی ہے جس کا ابھی تک مکمل دیوان ہی شائع نہیں ہوا۔

ان شاعروں پر مضامین ضرور لکھے گئے ہیں لیکن مضامین کتابوں کا کام نہیں دے سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے نقاد ان شاعروں اور دوسرے شاعروں پر تفصیل کے ساتھ کتابیں لکھیں۔ مقام مسرت ہے کہ اس وقت ہمارے قابل صد احترام نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ، میر پر ایک مکمل کتاب لکھنے میں مصروف ہیں اور اسی سلسلے میں کام بھی کافی ہو چکا ہے اس شمارے میں میر کے متعلق جو حقیقت افروز مقالہ شامل ہے وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آتش، مومن، مصحفی پر بھی کام شروع ہو جائے تو اردو ادب کی ایک بہت بڑی کمی پوری ہو سکتی ہے۔

(ادب لطیف لاہور)

اردو کو ختم کرنا ضروری کیوں ہے؟ (روزنامہ پیام وطن دہلی کے شکریہ کے ساتھ)

پنجاب میں ہندی رکشا سمیتی کے ایک ترجمان پرنسپل بھگوان داس نے پنجاب رکشا سمیتی کے سکریٹری کو ایک خط لکھا ہے جس میں ہندی رکشا سمیتی اور اس کی تحریک کے مقاصد کی وضاحت کی گئی ہے۔ پرنسپل بھگوان داس نے کہا ہے کہ ہندی رکشا سمیتی پنجابی کی مخالف نہیں ہے کیونکہ سمیتی کسی زبان کو کچلنے اور دبانے کی قائل نہیں ہے بلکہ سمیتی صرف یہ چاہتی ہے کہ پنجابی علاقہ میں ہندی والوں کو پنجابی پڑھنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے اور ان پر زبردستی پنجابی مسلط نہ کی جائے۔

پرنسپل بھگوان داس نے کسی زبان کو نہ کچلنے کے جو نیک جذبات ظاہر فرمائے ہیں وہ قابل قدر ہیں اور ہم بھی اس کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن پرنسپل بھگوان داس نے اس خط میں جو دوسری باتیں کہی ہیں وہ ان کے نیک جذبات کا پردہ فاش کرتی ہیں۔

انھوں نے پنجابی رکشا سمیتی کو جہاں پنجابی زبان سے ہمدردی کا یقین دلایا ہے وہاں یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ ان کے اپنے کالج میں اردو کو ختم کرکے پنجابی رائج کی گئی ہے۔ انھوں نے اس پر فخر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے کالج میں پہلے ہندی کے ساتھ اردو کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ اب اردو کی تختیوں کے بجائے پنجابی کی تختیاں لگادی گئی ہیں۔ اس طرح کالج میگزین سے اردو کا حصہ ختم کرکے اس کی جگہ پنجابی کو دے دیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ہندی علاقوں میں پنجابی کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے تو ٹھیک ہے۔ ضرور حوصلہ افزائی ہونی چاہئے لیکن اس کے لئے اردو کو ختم کرنا ضروری کیوں سمجھا گیا۔ اردو کو ختم کئے بغیر پنجابی کا خیال کیا جاسکتا تھا۔ اگر پرنسپل بھگوان داس کے کالج کے طلبہ اردو خواں ہیں۔ وہ اردو ادب سے دلچسپی لیتے ہیں اور اپنی میگزین میں اردو کے لئے بھی ایک حصہ مخصوص کرتے ہیں اور اس کے ذریعے اپنے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتے ہیں تو ان پر اردو کو استعمال نہ کرنے کی پابندی لگا دینا کہاں کا انصاف اور کیسی لسانی رواداری ہے۔ ایک طرف پرنسپل بھگوان داس فرماتے ہیں کہ ہندی ساہتیہ سمیلن کسی زبان کو کچلنے کا ارادہ نہیں رکھتی دوسری طرف اپنے کالج سے اردو کو دیس نکالا دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ اردو کو کالج بدر کرنا ایک زبان کو کچلنا نہیں تو اور کیا ہے۔ کسی زبان کو کچل کے اور دوسروں پر زبردستی دوسری زبان مسلط کرکے نہ تو کوئی زبان ختم ہوتی ہے اور نہ کوئی زبان ترقی کرتی ہے۔

ہندی سمیلن والوں کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے اور ایسا طریق کار نہیں اختیار کرنا چاہئے جس سے غیر ہندی والوں کو ہندی کے متعلق شک و شبہ ہو۔

سرشار دہلوی کا انتقال

حضرت بیخود دہلوی کے شاگرد رشید اور حضرت مخمور دہلوی کے ساتھی جناب ڈاکٹر معین احمد صاحب سرشار دہلوی کا ۱۷ جون کو ۵۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

جامعہ اُردو علی گڑھ

جامعہ اردو کے امتحانات سے اردو کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس کے منتظمین شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ پبلک کو جامعہ سے بعض شکایتیں ہیں۔

میں ڈاکٹر تاجی کی اس رائے سے متفق ہوں کہ جامعہ اردو کی باگ ڈور کسی ذمہ دار اور آئینی ادارے کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ اس وقت حال یہ ہے کہ اصل میں صرف ایک شخص یعنی جناب ظہیر الدین علوی صاحب جامعہ اردو کے کرتا دھرتا ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے..... کہ دوسرے منتظمین برائے نام ہیں اور جامعہ کو زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ میں مانتا ہوں کہ علوی صاحب بڑی محنت اور جانفشانی اور خلوص کے ساتھ جامعہ کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن جب تک جامعہ کا تعلق حکومت کے تسلیم کئے ہوئے کسی آئینی ادارے سے نہ ہوگا اس کا وقار اور اعتبار اس نوعیت کا نہیں ہو سکتا جو ایک آئینی ادارے کا ہوتا ہے۔

میرے نزدیک مسلم یونیورسٹی سے جامعہ اردو کا الحاق اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم نہ ہو۔

اس لئے زیادہ مناسب یہی ہے کہ جامعہ کا الحاق انجمن ترقی اردو سے ہو جائے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب جامعہ اردو اپنی مجلس انتظامیہ میں ایک تجویز پاس کرکے خود انجمن سے اس امر کی درخواست کرے، اور انجمن اس کو اپنا ایک شعبہ بنانے کے لئے راضی ہو جائے۔

اس وقت جامعہ اردو کسی کو جواب دہ نہیں ہے۔ اسی لئے بعض غیر ذمہ دارانہ باتیں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں، یہ صورت اس وقت باقی نہیں رہے گی جب وہ انجمن سے ملحق ہو جائے گی، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر کبھی ضرورت پڑی تو جامعہ کو انجمن سے کچھ مالی امداد بھی مل سکتی ہے۔

بہرطور انجمن کے ساتھ ملحق ہونے میں جامعہ اردو کا فائدہ ہی ہے کوئی نقصان نہیں ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ انجمن جامعہ کے موجودہ کارکنوں کو برقرار رکھے۔

یہ بات بھی خلاف اصول ہے کہ علوی صاحب کو ان کی خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، جب جامعہ کو امتحانات سے معقول آمدنی ہے تو کارکنوں کو ضرور معاوضہ ملنا چاہئے۔

(حامد اللہ افسر)

(طابع و ناشر ... نیشنل پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر انجمن علی گڑھ سے شائع کیا)

علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر

جلد اول

۱۲۰۰ء تا ۱۷۰۰ء — صفحات

دیباچہ (الف) لسانیاتی مطالعہ

(۱) ابتدائی زبان کی مختصر تاریخ، مسلمانوں کے داخلۂ ہند تک
(۲) عربی و فارسی الفاظ کی آمیزش ہندوستان کی زبانوں میں — ڈاکٹر مسعود حسین خاں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ — ۵۰
(۳) کھڑی بولی کا ارتقا فتح دہلی کے بعد
(۴) ابتدائی زبان کے نمونے

(ب) زبان و ادب کا تہذیبی و علمی مطالعہ — پروفیسر آل احمد سرور، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ — ۵۰

باب اول:- سیاسی و تمدنی پس منظر — خلیق احمد نظامی صاحب علی گڑھ — ۵۰

باب دوم:- گجرات میں اردو زبان و ادب کا ارتقا — پروفیسر نجیب اشرف ندوی، بمبئی — ۲۵

باب سوم:- دکنی ادب ۱۳۵۰ء تا ۱۶۰۰ء

(الف) دور بہمنی. نظم و نثر — پروفیسر عبدالقادر سروری — ۵۰
گنج العلم، گیسو دراز، نظامی، جنیدالدین وغیرہ — عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

(ب) دور عادل شاہی نظم و نثر — ڈاکٹر نذیر احمد — ۳۰
تحفۂ عشاق، اشرف، جانم، ابراہیم عبدل وغیرہ — مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(ج) دور قطب شاہی. نظم و نثر — ڈاکٹر محی الدین قادری زور — ۳۰
محمد قلی قطب شاہ وغیرہ — حیدرآباد

باب چہارم دکنی ادب ۱۶۰۰ء تا ۱۶۸۰ء

(الف) دور قطب شاہی. نظم و نثر — ڈاکٹر محی الدین قادری زور — ۷۰
وجہی، غواصی، عبداللہ، ابن نشاطی وغیرہ — حیدرآباد. دکن

(ب) دور عادل شاہی. نظم و نثر — نصیرالدین ہاشمی صاحب — ۵۰
مقیمی، رستمی، شاہی، نصرتی، وغیرہ — حیدرآباد. دکن

(ج) دور مغلیہ. ولی اور اس کے معاصرین — ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی بمبئی — ۵۵

باب پنجم شمالی ہندوستان میں اردو ادب کے نمونے تا ۱۷۰۰ء — ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، لکھنؤ یونیورسٹی — ۵۰

اشاریہ و کتابیات — ۲۵

> ہماری زبان کی سالانہ قیمت ۲/- روپے ہے وی۔ پی سے ۲-۱۰ آنے اور منی آرڈر سے صرف ۲-۲ آنے صرف آتا ہے

جلد دوم

۱۷۰۰ء تا ۱۸۰۰ء — صفحات

باب اول سیاسی و تمدنی پس منظر — ڈاکٹر یوسف حسین خاں حیدرآباد — ۲۵

باب دوم، متقدمین شعرائے اردو

(الف) فائز — پروفیسر مسعود حسین رضوی لکھنؤ — ۵
(ب) آبرو، حاتم اور دوسرے شعراء — مولانا امتیاز علی عرشی صاحب رامپور — ۱۰۰

باب سوم عہد میر و میرزا

(الف) سودا — ڈاکٹر رام بابو سکسینہ دہلی — ۵۰
(ب) میر — جعفر علی خاں اثر لکھنؤ — ۵۰
(ج) اس عہد کے دوسرے شعرا
(۱) میر درد، میر سوز اور بیدار — میر اثر، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی — ۵۰
(۲) میر حسن، قائم، حسرت وغیرہ — ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھنؤ

باب چہارم، نثر اردو (علاوہ داستانیں) — ڈاکٹر محی الدین احمد [illegible] — ۱۵
داستانیں — ڈاکٹر گیان چند جین، حمیدیہ کالج بھوپال — ۱۵

باب پنجم (الف) دکن اور گجرات میں اردو — پروفیسر سید عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن — ۴۰
(ب) بہار میں اردو — ڈاکٹر سید رفیع الدین ناگپور — ۱۰
(ج) کرناٹک اور [illegible] مدراس میں اردو — افسر الملک ڈاکٹر عبدالحق، مدراس — ۵۰
(د) میسور میں اردو — ڈاکٹر آمنہ خاتون، میسور — ۲۵

اشاریہ و کتابیات — ۲۵

حسرت موہانی

موہن سنگھ دیوانہ

(ب، سلسلہ گذشتہ)

حضرت وہ شاعر کیا وہ عاشق کیا وہ مومن کیا وہ سورما کیا وہ فلسفی کیا وہ درویش کیا جو اپنے شغل و شغف اپنے ذکر و فکر اپنے قول و عمل کی انتہا نہ دیکھ لے۔ کبھی نہ کسی مرحلہ اور منزل پر کسی نہ کسی طرح کی بصیرت و جسارت کے طفیل زیادہ نکمی تو طوالت کے جرم میں ہی مترو صاحب دھر لیں گے۔

اے میری توبہ۔ واللہ اگر کہیں یورپ یا امریکہ میں ہاشمی صاحب ہوتے تو "لیکن ان تمام خوبیوں یا خامیوں کے باوجود وہ ایک بہت ہی بلند پایہ شاعر تھے" آپ پر ایڈیٹر پر ناشر پر فوراً تین مقدمات الگ الگ عدالتوں میں دائر کر دیے جاتے۔ ایک زبان کی عدالت میں دوسرا فصاحت و بلاغت کی عدالت میں تیسرا ایمان کی عدالت میں۔ سزا یہ ملتی کہ آپ کو کان پور کی کسی مسجد میں دو برس تک۔ لٹکا کر ان تین فقروں کے معنی از بر یاد کرائے جاتے۔

(۱) لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ ایک بہت ہی بلند پایہ شاعر تھے

(۲) لیکن ان تمام خامیوں کے باوجود وہ ایک بہت ہی بلند پایہ شاعر تھے۔

(۳) لیکن ان تمام خوبیوں یا خامیوں کے باوجود.....

چوتھے پیرا (؟ پیرے) میں جب الہاشمی صاحب نے نقاد کی تقی داڑھی اتار پھینکی ہے تو سبحان اللہ کیا طبع داد دی ہے کلام حسرت کی اور ذات حسرت کی۔ کیسے جامع اور مانع الفاظ برتے ہیں۔ گویا خود صدق اور خلوص کا شکار ہو گئے ہیں اور حق یعنی از ابتدا تا انتہا اسے دو چار الفاظ میں کام لیا ہے۔ فرماتے ہیں "ان کی شاعری میں علاوہ خلوص اور صداقت کے حسن بیان بھی موجود ہے" انتہا پسندی حق و صداقت ہو گئی۔ یعنی نمائندگی خلوص ہو گئی اور تنوع یا تضاد حسن بیان کا ایک جزو یہ ہیلو Major

Contributing factors

چونکہ یہ محض ایک کو فرسٹ ہے۔ اس لئے "ہماری زبان" میں چھپے ان فقرات پر تبصرے کا حق اسے نہیں پہنچتا۔ "ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ، بہت بڑے مصنف بھی تھے۔" معلوم ہوتا ہے کہ رحم علی ہاشمی صاحب بی۔ اے پاس ہیں (شاید بی بی پاس ہے؟) اس لئے پہلے بی۔ اے کی انگریزی میں سوچتے ہیں پھر اس کا علی گڑھانا اردو میں ترجمہ کر ڈالتے ہیں۔"

"اور متعدد ادبی کتابیں وغیرہ ان کی یادگار ہیں" حسرت کی وہی میر ناصر علی خاں کی اردو پر رحم فرمائیے۔

"وہ ایک ادبی ماہنامہ کے ایڈیٹر بھی تھے" کیا پیارے پیارے فقرے ہیں چھوٹے چھوٹے بچوں کے مفید مطلب۔

"جس میں خود ان کے کلام کے علاوہ قدیم و جدید مشاہیر شعراء اردو کے کلام کا انتخاب زندگی کے حالات اور تنقید کی ہے"

مترو صاحب کسی وثیقے سے کہئے کہ وہ "ہماری زبان" میں اس فقرہ کو منتقل کر دے۔ ہماری زبان یعنی شہر کی زبان، ظفر کی زبان، ناصر علی کی زبان، مترو ہی کی زبان میں۔

اور یہ فقرہ تو رہا جاتا ہے جس کا تعلق نقاد ہی سے نہیں، اردو نوازی سے، وطن دوستی سے اسلام پرستی سے ہے۔ "معلوم نہیں یہ بیش قیمت ذخیرہ اب کس حالت میں ہے؟" تو آپ کس مرض کی دوا ہیں؟ ذرا لپک کے کانپور جاتے اور دریافت کر لیتے اور مترو دیوانہ کو ممنون فرماتے۔ یعنی بیچارے ہاشمی کو درد تو ضرور ہے مگر سلوک...... ندارد۔ ہاشمی صاحب غالباً اس وقت لندن میں ہیں یا ہسکوا میں!

میں نہ ترقی پسند ہوں نہ قدامت پسند، نہ کالج کا لونڈا ہوں نہ یونیورسٹی کا پروفیسر۔ حسرت کا شاگرد ہوں، اردو کا عاشق اور فدائے درویشاں کا بندہ۔ اس حیثیت سے یہ تقاضا کرتا ہوں کہ میرا مضمون شائع کیا جائے تو پورے کا پورا اور اسے ردی کی ٹوکری میں نہ پھینک دیا جائے۔ جواب کا جواب دینے کی ہمت رکھتا ہوں۔

تبصرے

ڈاکٹر محمد حسن

Jawaharlal on Community Development.

شائع کردہ منسٹری آف کیمونٹی ڈیولپ منٹ، گورنمنٹ آف انڈیا۔ ضخامت ۴۶ صفحات قیمت ۵۰ نئے پیسے

یہ چھوٹا سا رسالہ وزیر اعظم ہندوستان پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریروں کے ان اقتباسات کا مجموعہ ہے جو ہندوستان میں کیمونٹی ڈیولپ منٹ اسکیم کے متعلق ہیں۔ وزیر اعظم کے الفاظ میں سارا مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح ہندوستان کے رہنے والوں کی بڑی سے بڑی تعداد کو اس ملک کی تعمیر اور تشکیل میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے۔ اس سے ایک طرف خود کفالتی کا احساس پیدا ہوگا اور دوسری طرف لوگوں میں خود اعتمادی اور جمہوریت کا بنیادی شعور پیدا ہوگا۔ وزیر اعظم نے زراعت کی ترقی اور دیہی صنعتوں کی نشوونما کو اسکیم کی کامیابی کا معیار قرار دیا ہے اور اس کے لئے کسانوں اور مزدوروں کو بہتر ٹریننگ اور بہتر آلات اور مشینوں کا استعمال ضروری ہے۔ اور اس کے ذریعے سے عوام میں عمل کا ولولہ اور اعتماد پیدا کیا جا سکتا ہے۔ کیمونٹی ڈیولپ منٹ کے ان مرکزوں نے جو اس وقت ہندوستان کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ دیہاتوں میں کام کر رہے ہیں۔ اس فریضے کو کسی نہ کسی حد تک پورا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں لیکن اس کام کی نوعیت بھی وہی ہے جسے پنڈت نہرو نے خود اپنی ایک تقریر میں یہ شعر پڑھ کر ظاہر کیا ہے۔

اس طرح طے ہم نے کی ہیں منزلیں
گر پڑے، گر کر اٹھے، اٹھ کر چلے

ادھیاپکوں کی شکشا اور ٹریننگ (ہندی)

شائع کردہ اورینٹل لانگ مینس۔ ضخامت ۸۲ صفحات

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

یہ کتاب یونسکو کی مدد سے ہندوستان کے قومی کمیشن کے زیر اہتمام چھپی ہے۔ یونسکو نے کئی ملکوں کی حکومتوں اور ماہرین تعلیم کی مدد سے ہر ملک کے تعلیمی مسائل کا مطالعہ کرنے کے لئے مختلف کمیشن مقرر کئے تھے اور بین الاقوامی طور پر تعلیمی تجربوں کو عام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ کتابچہ اسی قسم کی تین رپورٹوں کا مجموعہ ہے۔ تین موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ پہلا مسئلہ بچوں کے ذہنی نشوونما کو سمجھنے کے سلسلے میں استادوں کی تعلیم سے دوسرا سوال سماجی شعور اور اساتذہ کی تعلیم کا ہے اور تیسرا سوال استادوں کو بہتر بین الاقوامی شعور میں حصہ لینے کی تعلیم دینے کا ہے۔ جن لوگوں کو تعلیمی مسائل سے دلچسپی ہے ان کے لئے یہ کتاب بڑی مفید ہے۔ مسٹر کل بھوشن کا ہندی ترجمہ بیک وقت رواں اور شستہ ہے۔

۱۳ برس سے چھوٹی عمر کے بچوں پر گھر اور باہر کا پربھاؤ (ہندی)

شائع کردہ اورینٹل لانگمینس، ضخامت ۵۵ صفحات

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

یہ کتابچہ بھی یونسکو سیمنار کی تعلیمی کمیٹیوں کی مختلف رپورٹوں کا مجموعہ ہے۔ جولائی اور اگست ۱۹۵۲ء میں برڈوسہ برٹینڈی میں کمیٹی کا جلسہ زیادہ تر چھوٹے بچوں کے اساتذہ کا جلسہ تھا اور اس میں ۱۳ برس سے کم عمر کے بچوں کے مسائل پر غور کیا گیا۔ یہ اس کتابچے میں ڈاکٹر رو تھو میرے نے ذکر کیا خطبہ ہے جس میں مختلف تہذیبوں میں بچوں کی تعلیم اور تربیت کے مسائل کا ذکر پیش کیا گیا ہے۔ بچوں کے نفسیاتی اور ذہنی نشوونما پر ایک رپورٹ بھی اس کے تتمے کے طور پر شامل ہے۔ ڈاکٹر الوہرڈال کا مقالہ تعلیم کے راستے میں سماجی رکاوٹوں کے موضوع پر ہے۔ اس کا ترجمہ مسٹر پربھاکر ماچوے نے کیا ہے اور بڑا ہموار اور شستہ ہے۔

مانوتاواد اور شکشا — یورپ اور پچھم کے دیشوں میں (ہندی)

شائع کردہ : اورینٹل لانگ مینس ضخامت ۲۲۴ صفحات

قیمت ۶/ روپے

یہ کتاب بھی یونسکو کے تعلیمی سلسلے کی مطبوعات میں شمار کی جائے گی۔ ۱۹۴۶ء میں یونسکو نے مغرب اور مشرق میں علمی، تمدنی اور تہذیبی اشتراک قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کام کو دہلی کانفرنس منعقدہ ۱۹۵۱ء نے ایک خاص نہج سے شروع کرایا رام کرشن مشن کے سوامی سدھیشوا نند اور پیرس کے پروفیسر آلیویے لاکومب نے ایک بنیادی رپورٹ تیار کی جس میں ۱۹۵۱ء کی کانفرنس کے سامنے آنے والے اہم مسائل کا خاکہ موجود تھا اس رپورٹ پر یونسکو کی دہلی گول میز کانفرنس نے تفصیل کے ساتھ غور کیا۔ یہ کتاب اسی کانفرنس کی روداد ہے۔ مولانا ابوالکلام، ڈاکٹر رادھا کرشنن اور پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریروں کے علاوہ اس رپورٹ کا اہم ترین حصہ وہ مقالات ہیں جو مختلف ممالک کی تعلیمی صورت حال پر لکھے گئے ہیں۔ امریکہ پر کلیر نڈن ناڈسٹ اور ہندستان اور مشرقی ممالک پر ہیلیتھ ڈان گلاس تیپ اور ہایوں کبیر کے مقالات اور جاپان پر یشی کا ناکوری کی رپورٹ بڑی دلچسپ اور قابل ذکر ہیں۔ رپورٹ نے جو سفارشیں کی ہیں ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ مشرق اور مغرب میں قریبی تہذیبی اور علمی رابطہ قائم کرنے کے علاوہ رپورٹ نے دونوں جگہ کے لئے ایسی کتابوں کی فراہمی کی سفارش کی ہے جن میں مذہبی رہنماؤں کی سیرت پر روشنی ڈالی گئی ہو اور اس طرح تعلیم کے نظام میں مذہب کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ مشرقی کارناموں کو زیادہ عام کرنے اور بچوں کے تخیل اور جمالیاتی ذوق کی تربیت کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ لیکن ان سب تجاویز میں اہم ترین تجویز غالباً یہ ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں قومیت کے محدود مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے بجائے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو اپنانا چاہئے اور ہر ملک کی تاریخ ایشیائی، بین الاقوامی پس منظر کے ساتھ لکھی جانی چاہئے تاکہ طالب علم میں بین الاقوامی شعور اور وسیع المشربی پیدا ہو۔

یہ دو شی کا ترجمہ کہیں کہیں ناہموار ہو گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب معلومات سے بھرپور ہے۔ یہ محض کانفرنس کی بے جان کارروائی نہیں ہے بلکہ اہم مسائل اور زندہ حقیقتوں کی تصویر ہے۔ ایسے مسائل اور حقیقتیں ہنوز جواب کی منتظر ہیں۔

کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

میزان شعر : مصنف۔ آغا شیدا کاشمیری
ناشر : عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور
حجم ۲۰×۳۰/۱۶۔ کاغذ عمدہ صفحات ۳۰۴
قیمت ۳/۸ روپے

سحاب : مصنف۔ حسن شہیر
ناشر نیا ادارہ، الہ آباد حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اچھا
صفحات ۱۰۶۔ قیمت تین روپے

گلدستۂ شعراء مرتبہ : مہادیو پرشاد خنجر
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ معمولی صفحات ۴۰ قیمت ۸ آنے

دین اور ادب مصنف مولانا فضل الرحمن
ناشر : کتب خانہ سراج العلوم دھولیہ
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اچھا صفحات ۱۲۷
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

فلمی اشارے مرتبہ لطیف احمد علوی
حجم ۲۰×۳۰/۱۶۔ کاغذ اچھا۔ صفحات ۱۵۳
قیمت ۷۵ نئے پیسے

نیا ہندوستانی قاعدہ مرتبہ منشی خطیب عبدالرحمن عمری
صفحات ۳۲ قیمت ۲۵ نئے پیسے
کاغذ اچھا۔ حجم [illegible]/۱۶
